غالب



غالب

مہدی نظمی

اتوار ۲۲ فروری ۱۹۸۷ء

یومِ تاسیس غالب اکیڈمی، بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

طابع۔ ایس۔ایس آفسٹ پریس۔دہلی

ناشر۔ ہندوستان پبلی کیشنز غازی آباد

قیمت۔ ۵ روپے

بانی و صدر غالب اکیڈمی ہمدرد خلائق حکیم عبدالحمید صاحب

اور مشفق گرامی ماہر غالبیات جناب مالک رام کے نام

★ - والد مرحوم مولانا سید اولاد حسین عرف للّن صاحب شاعر لکھنوی
اور والدہ مرحومہ سیدہ رضیہ بیگم صاحبہ کی یاد میں۔

غالب کا عکسِ تحریر

بہ خطِ غالب

نہ کر ملال کہ نظمی صدی کے بعد کے لوگ
ترے مزار سے پوچھیں گے آرزو تیری

اپنا بیان

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ میرے لئے نہ صرف یہ کہ شاعر اور مکتوب نگار ہیں بلکہ بہت سے وجوہ سے جن میں سے ایک "مشغلہ بندگی بوتراب" بھی ہے۔ میری زندگی کے بکھرے ہوئے اجزا میں وہ جزو۔ غالب کا درجہ رکھتے ہیں اور میرے دامنِ حیات میں یوں بسے ہیں جیسے عطر کی خوشبو کسی زربفت پوش کے دامن میں بستی ہے، زندگی کے کرب میں مستقل مسکراہٹ کا سلیقہ میں نے دیوانِ غالب کی اس تصویر سے سیکھا ہے جس پر ایک مرتبہ میں منہ رکھ کر رات بھر روتا رہا اور وہ رات بھر ایک ہی انداز سے مسکراتی رہی، صبح ہوئی تو میں نے اپنے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی دیوانِ غالب کی یہ تصویر ریزہ ریزہ کر ڈالی لیکن ایک خوبصورت چوکھٹے میں دیوار پر آویزاں تصویر حسبِ معمول مسکراتی رہی اور مجھے محسوس کراتی رہی کہ زندگی اپنی تمام کربناکیوں کے باوجود مسکرانے کی چیز ہے، رونے کی نہیں۔

غالب کے دیوان کی شرح نظم طباطبائی نے بھی لکھی ہے اور بہت سے دوسرے دانشوروں نے بھی، لیکن دیوان غالب کی جو شرح میں نے کی ہے وہ میری اپنی زندگی ہے جو ابھی تک زینت قرطاس نہیں بنی اور جس کے در و دیوار پر ابھی تک سبزہ ہی اُگ رہا ہے

اور طاقِ نسیاں کے نقش و نگار بغیر کسی آواز کے صدا دے رہے ہیں کہ مشقت سے بھری ہوئی یہ سپاٹ زندگی ہمیں دے دو، ہم اسے محفوظ رکھیں گے، فنا نہیں کریں گے، میں نے اپنے دلِ ناداں سے یہ نہیں پوچھا اور نہ ہی پوچھنا چاہتا ہوں کہ "آخر اس درد کی دوا کیا ہے" کیونکہ درد دوا خود تخلیق کار ہوتا ہے تخلیق نہیں۔

مرزا غالب سے میرا جو تعلق خاطر ہے، اسے آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن ہندوستانی عدالتوں میں کہے جانے والے اس روایتی یا رواجی فقرے سے قطع نظر کہ "خدا کو حاضر و ناظر جان کر جو کہوں گا سچ کہوں گا"، میں بغیر کسی تعلی کے کہنا چاہتا ہوں کہ برسہا برس تک غالب میرے ہمراہ بلیماران سے جامع مسجد آتے رہے، جامع مسجد سے بلیماران جاتے رہے اور اپنے مکان میں لکڑی کی ٹال دیکھ کر بغیر کسی تاسف کے مسکراتے اور یہ مصرع پڑھتے رہے "مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی" ایک مرتبہ رامپور میں جب میں دیوانِ غالب کی ہر غزل کی زمین میں نوحہ اور سلام کہہ رہا تھا تو ایک رات وہ مسکراتے ہوئے میرے خواب میں آئے اور بڑی سنجیدگی سے گویا ہوئے "مجھے وہ نوحہ سناؤ جو تم نے میری اس زمین میں کہا ہے" "دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا"، میں نے مطلع پڑھا

کون سا تشنہ جگر یاد آیا
خونِ دل تا لبِ فریاد آیا

یہ مطلع سن کر کہنے لگے اس میں "کون سا" برا ہے اسے بدل ڈالو، میں نے کہا مجھے خود بھی یہ لفظ کھٹکتا ہے اور میں نے اس لفظ کو بدلنے کی مسلسل کوشش بھی کی ہے لیکن تقریباً مجبور ہو گیا ہوں، مجھ سے یہ لفظ نہیں بدلتا، کہنے لگے کہو تو میں بدل دوں، میں نے کہا یہ میرا شرف ہے۔ اگر آپ اس لفظ کو بدل دیں گے تو میری عزت افزائی ہو گی اور عمِ محترم مولانا امتیاز علی خاں عرشی اور برادرِ مکرم مولانا سید صابر حسین صاحب (اب ان دنوں مرحوم ہو چکے ہیں) سے کہوں گا کہ آپ نے

صلاح دے کر ایک کھٹکتا ہوا لفظ بدل ہی ڈالا، کہنے لگے تم صرف شاعر ہی نہیں
، باتونی بھی ہو، یہ کہہ کر ارشاد فرمایا، اپنا مطلع یوں پڑھو

پھر شہِ تشنہ جگر یاد آیا
خونِ دل تالبِ فریاد آیا

کون سا "لفظ "پھر شہ" سے بدل کر میرے مطلع کو غالب نے جو بلاغت عطا
رمائی اس کا شکر کیسے ادا کیا جائے۔ میں نے اس واقعہ کو اپنی کتاب "نقشِ
ریاد" میں شائع نہیں کیا۔ جو "الف" سے لے کر "ہ" تک دیوان غالب کی تمام
زلوں کی زمینوں پر مشتمل نوحوں کی پہلی جلد ہے۔ مجھ سے عمِ محترم مولانا امتیاز علی خاں
رشی مرحوم نے کہا کہ میں نے مرزا غالب کی اصلاح کے اس واقعہ کو کیوں نہیں
ھا، میں نے کہا لوگ اسے تعلّی مانتے اور نہ جانے کیا کیا کہتے۔ کہنے لگے لوگ کچھ
ی کہیں لیکن آپ کو اصلاح غالب کا یہ واقعہ ریکارڈ کر دینا چاہئے۔

اس واقعہ کو میں نے یہاں اس لئے بیان نہیں کیا کہ بطور سند محفوظ رہے
ر وقت ضرورت کام آئے، بلکہ اس واقعہ کو بیان کرنے کی غایت یہ ہے کہ اس
ے غالب کے ساتھ میرے تعلق خاطر کا ایک اندازہ کیا جائے، یہی تعلق خاطر ہے
س نے مجھ سے مرزا صاحب مرحوم کی اکثر زمینوں میں غزلیں کہلوائیں۔ ان کے
یوان کی ہر غزل کی زمین میں نوحہ اور سلام کہلوایا اور انہیں کے لب ولہجہ میں
ن کی سوانح حیات نظم کرائی، یہ منظوم سوانح حیات یہاں پیش خدمت ہے۔ یہ نظم
ب سو دس اشعار پر مبنی ہے اور "یاعلی" کے اعداد ہیں جن کی بندگی غالب کا مشغلہ
ری، اور اس بندگی کے بارے میں مرزا صاحب مرحوم نے کبھی یہ نہیں کہا:

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد ؛ پر طبیعت ادھر نہیں آتی

ان کی طبیعت جب بھی جاتی تھی تو اسی بندگی کی طرف، میرا مشغلہ بھی تقریباً یہی ہے۔ اس سے بھی میرے اور غالب کے تعلق خاطر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔



حرفِ آغاز

غالبؔ کہ کہکشانِ تغزّل کا ماہتاب
بیدؔل کا نقش، حافظِؔ شیراز کا جواب

جس کی غزل غزل میں رواں "جاوداں خرد"
دیوان جس کا قدر میں ہوشنگ کی کتاب

"جاوداں خرد" ہوشنگ کی کتاب کے ترجمے کا عنوان ہے ایران ہوشنگ کو انبیاء کی صف میں شمار کرتا ہے۔

جس کا کلام دانشِ مشرق کی اِک دلیل

جس کا شعور کُہنہ روایت میں انقلاب

وخشورِ[1] پیشدادئ[2] اقلیم ہند پر

اُردو زباں میں اُتری ہے الہام کی کتاب

طرزِ بیاں کہ جیسے شگفتِ گُلِ بہار

اندازِ فکر جیسے روانئ موجِ آب

۱؎ وخشور - نبی

۲؎ پیشدادی - ایران کا حکمراں خاندان - غالب کے آباو اجداد اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جس میں ہوشنگ اور فریدوں جیسے نامور بادشاہ گزرے ہیں۔

آئینۂ تجلّیٔ دانش میں عکسِ شعر
جیسے کہ جگمگاتا ہے دریا میں آفتاب

"چہرہ فروغِ مے سے گُلستاں کئے ہوئے"
رقصِ عروسِ فکر سرِ ساغرِ شراب

جس کو مِلا "تلمّذِ رحمٰن کا شرف"
مِلتا تھا جس کو غیب سے مضمونِ انتخاب

عنقائے فکر و ذہن کی پرواز کو مِلی
موجِ روانِ خونِ پرِ دبازوئے عقاب

ظرفِ دل و دماغ میں گنجائشِ علوم
تارِ نظر میں قوّتِ تحصیل و اکتساب

مسند نشینِ محفلِ اربابِ علم و فن
جیسے کہ بزمِ کوکب و انجم میں ماہتاب

چہرے پہ مہرِ دانشِ ہوشنگ[1] کی کرن
عارض پہ رنگِ خونِ فریدوں[2] کی آب و تاب

[1] و [2] ہوشنگ اور فریدوں ایران کے معروف حکمراں جن پر غالب کا سلسلۂ نسب منتہی ہوتا ہے۔

زینت گریٔ صورتِ دوشیزۂ غزل
اُردو نگارِ نثر کی زیبائشِ شباب

یوں خاک دانِ دہر پہ اس کی نگاہ تھی
محفوظ حافظے میں ہو جیسے کوئی کتاب

جس موڑ پر حیات کے، چاہو پکار لو
ہر موڑ پر حیات کے، دیتا ہے وہ جواب

ہے خسروِ سخن اسداللہ بیگ خاں
اِک آئینہ کہ جس میں ہے آفاقیت کی آب

نقشِ حیات

ہجری سنِ ولادتِ پیغمبرِ غزل
بارہ کو بارہ سو میں مِلا کر کرو حساب

بارہ[1] کا عشق جس کو شرف تھا دماغ کا
مسلک کیا تھا اس لئے بارہ کا انتخاب

[1] بارہ امام - جن کے اسمایٔ گرامی ہیں (۱) حضرت علی (۲) امام حسن (۳) امام حسین (۴) امام زین العابدین (۵) امام محمد باقر (۶) امام جعفر صادق (۷) امام موسیٰ کاظم (۸) امام رضا (۹) امام علی تقی (۱۰) امام علی نقی (۱۱) امام حسن عسکری (۱۲) امام مہدی -

ہشتم[1] رجب، ولادتِ حیدرؑ کے ماہ میں

پیدا بفضلِ رب ہوا شیدائے بُوترابؑ

اقلیمِ نظم و نثر میں پھوٹی سحر کی پو

نکلا ادب کا تاج کی نگری سے آفتاب

عبد اللہ[2] بیگ خاں کا جگر بند و لختِ دل

قوقان[3] بیگ خاں کے چمن زار کا گلاب

[1] مرزا غالب نے اپنی ولادت کی تاریخ ۸ رجب المرجب سنہ ۱۲۱۲ھ بتائی ہے۔ امتیاز علی عرشی صاحب کی تحقیق کے مطابق ولادت کی تاریخ ۸ رجب المرجب سنہ ۱۲۱۲ھ قرار پاتی ہے۔

[2] مرزا غالب کے والد کا نام   [3] دادا کا نام

عزّت[1] نسائے بنتِ غلامِ حسین[2] سے

پیدا ہوا غلامِ خردمندِ بوترابؑ

امدادِ حق بہ صورتِ نصراللہ بیگ[3] تھی

کھولا چچا نے بعدِ پدر شفقتوں کا باب

بچپن کٹا معظّم[4] و عبدالصّمد[5] کے ساتھ

جن سے پڑھا مروّجہ تعلیم کا نصاب

۱؎ والدہ کا نام (عزت النساء) ۲؎ نانا کا نام

۳؎ چچا کا نام

۴؎ ملا معظم آگرہ کے ممتاز و معروف عالم

۵؎ ایران کے ایک فاضل جن سے مرزا نے فارسی زبان سیکھی۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ فرضی شخصیت تھی۔

دلّی کی دھوپ چھاؤں میں نشو و نما ہوئی

حُسنِ عروسِ شعر پہ آیا یہاں شباب

امراؤ[1] بیگمِ گُلِ صد نزہتِ بہار

سرچشمۂ قرار بہ ہنگامِ اضطراب

ذوقِ سلیم و شفقتِ معروف[2] و فضلِ[3] حق

اصلاح سازِ شعر و مشیرانِ کامیاب

۱۔ مرزا کی اہلیہ کا نام جو نواب لوہارو احمد بخش خاں کی بھتیجی اور نواب الٰہی بخش خاں معروف کی بیٹی تھیں۔

۲۔ مرزا کے خسر نواب الٰہی بخش خاں خود بھی شاعر تھے اور معروف تخلص کرتے تھے۔

۳۔ مولانا فضلِ حق خیرآبادی اسیر انڈمان

محرومیوں میں یوں کٹی جس کی تمام عمر

پیاسے کو ریگزار میں جیسے تلاشِ آب

قرضے کا بار فطرتِ حسّاس پر گراں

فکرِ معاش میں دلِ نازک کا پیچ و تاب

عارف[1] کی موت، بھائی[2] کی دیوانگی کا غم

جاں نذرِ سوگواری و دل وقفِ اضطراب

[1] مرزا نے اپنے بھانجے عارف کو گود لے کر اولاد کی طرح پرورش کیا تھا لیکن عین عالمِ شباب میں ان کا بھی انتقال ہو گیا۔

[2] مرزا کے بھائی یوسف بیگ خاں۔

سالانہ سات سو کے وظیفے پہ انحصار
آمد بہت قلیل ، مگر خرچ بے حساب

مغلوں کی سلطنت کا وہ بجھتا ہوا چراغ
ظلمت فضائے شرق میں، مغرب میں آفتاب

وہ شورشیں، وہ خوف، وہ ہنگامہ ہائے غدر
روز و شبِ حیات ہمہ رنج و اضطراب

انگریز کے نظامِ حکومت کی ابتدا
ہر شعبۂ حیات میں آثارِ انقلاب

ماحول کے تضاد سے فطرت کی کشمکش

دل میں ہجومِ یاس، نگاہوں میں اضطراب

قیدِ حیات و بندشِ زنجیر ہائے غم

احساسِ تشنگی میں بھی سرمستیٔ شراب

"داغِ فراقِ صحبتِ شب" کا جگر میں درد

وہ "زخمِ مرگِ دوست" وہ ٹیسیں وہ اضطراب

کیا جانے کون تھی؟ وہ "ستم پیشہ ڈومنی"[1]

جس کی اجل تھی زخمِ دلِ خانماں خراب

[1] ذکرِ غالب۔ جناب مالک رام

اُلفت کی پردہ داریاں جس پر ہوئیں تمام
جو چھپ گئی تھی جا کے تہِ چادرِ تُراب

آتا تھا "داغ[1] حسرتِ دل کا شمار یاد"
کرتا تھا جب بھی کردہ[2] گناہوں کا وہ حساب

قرضے کی ڈگریوں سے پریشاں دماغ و دل
الزام میں جوئے کے گرفتاریٔ عذاب

1۔ آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

2۔ ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب! اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

لاتی[1] تھیں رنگ شام وسحر فاقہ مستیاں
پیتا تھا رات دن، وہ مگر قرض کی شراب

"مے[2] سے غرض نشاط تھی کس رُوسیاہ کو"
اِک گونہ بیخودی کا وسیلہ تھا جامِ ناب

آتش لباس آب سے بُجھتی ہے تِشنگی
تحلیلِ غم کے واسطے اکسیر ہے شراب

[1] قرض کی پیتے تھے مے اور سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

[2] مے سے غرض نشاط ہے کس رُوسیاہ کو
اِک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

صہبا[1] بھی کم نہیں، غمِ گیتی بہت سہی

کیا غم ہے اُس کو جو ہے غلامِ ابوترابؑ

جنبش[2] نہیں ہے ہاتھ میں آنکھوں میں دم تو ہے

رہنے دو سامنے ابھی پیمانۂ شراب

تا عُمر[3] آ سکی نہ طبیعت کبھی ادھر

گو جانتا تھا زہد و عبادت کا وہ ثواب

1. بہت سہی غمِ گیتی شراب کم کیا ہے — غلامِ ساقیِ کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے
2. گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے — رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے
3. جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد — پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اِس[۱] بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس تھی

پی جس قدر ملی شبِ مہتاب میں شراب

ناقدریوں کی اس کو شکایت ضرور تھی

لیکن نہ احتراز، نہ دنیا سے اجتناب

اُستادِ[۲] شاہ "ذوق" سے پرخاش کا خیال

کیوں آتا اس کے دل میں کہ وہ خود تھا لاجواب

۱۔ پی جس قدر ملے شبِ مہتاب میں شراب
اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

۲۔ اُستادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں مجھے۔

مقطع[1] میں آپڑی تھی سخن گسترانہ بات
منظور اس سے کب تھا محبّت کا سدِّ باب

آخر کو وقت فن کی ستائش کا آگیا
شاہِ ظفر نے پیش کیا خلعت و خطاب

دربارِ رام پور سے پنشن عطا ہوئی
تسلیم کرکے شاعرِ مقبول و انتخاب

[1] مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
منظور اس سے قطع محبت نہیں مجھے

لینے لگا کلام میں نواب[1] مشورے

اصلاح سے غزل ہوئی ناظم[2] کی کامیاب

جس کے رفیق تفتہ و مجروح و شیفتہ

جس کا حبیب سیّد[3] آلِ ابوتراب

جاگیر اور وظیفے کے ہر دم وہ مسئلے

جن کے سبب ہجومِ غم و یاس و اضطراب

[1] نواب کلب علی خاں المتخلص بہ نواب والی رام پور

[2] نواب یوسف علی خاں المتخلص بہ ناظم

[3] سر سیّد احمد خاں مرحوم

کلکتہ، رام پور و لوہارو و لکھنؤ

لے کر کہاں گیا نہ دلِ خانماں خراب

کلکتے[1] میں قتیل سے بیہم وہ معرکے

ردِ اعتراض کا، کبھی ایراد کا جواب

کلکتے سے پلٹ کے وہ انجامِ کار پھر

دلّی میں آگیا کہ یہ بستی ہے انتخاب

1۔ تین برس تک مرزا کلکتے میں مقیم رہے لیکن جب پنشن کی اپیل کا فیصلہ نہ ہو سکا تو دلّی واپس آگئے۔ اسی زمانے میں برہانِ قاطع اور قاطعِ برہان کے معرکے ہوئے اور مرزا کی فارسی غزل پر اعتراض کیا گیا۔

قسمت کی نارسائی سے خارج ہوئی اپیل
پیمانہ دل کا ٹوٹ گیا صورتِ حباب

چوسر کا شوق وقت گزاری کا مشغلہ
یعنی کہ غم میں وقت کا کٹنا تھا اِک عذاب

تھی اس کو میٹھے آم سے رغبت اسی قدر
مرغوب جس قدر تھا طبیعت کو جامِ ناب

پائے تھے سالِ عمر بہتّر کہ دل میں تھا
اِک عشقِ ناصرانِ جگر بندِ بوتراب[ع]

ہجری[1] ہزار و دو صد و ہشتاد و پنج میں

واموت نے کیا قفسِ عنصری کا باب

خسروؒ[2] کے ساتھ ہے سلطانؒ[3] جیؒ کے پاس

گہوارۂ مزارِ مقدس میں محوِ خواب

گو سو برس گزر چکے، لیکن نہ ڈھل سکا

اُس کی غزل کے رُوپ پہ آیا ہوا شباب

1۔ ۱۲۸۵ھ سال وفات

2۔ حضرت امیر خسروؒ

3۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ۔ غالب کا مزار بستی نظام الدین نئی دہلی میں ہے۔

ہر شعر تنگنائے غزل کا یمِ رواں

یا موجِ جوئے زیست میں رقصِ بطِ شراب

امواجِ جوئے فکر میں نازک خیالیاں

جیسے کہ سطحِ آب پر اُبھرے ہوئے حباب

حیرت سخنوری پہ، دلیلِ کمالِ فن

اعجازِ حُسنِ شعر ہے دیوان، انتخاب

مفہوم کی تلاش میں ناقد کی گمرہی

رمزِ خفی کو کہتی ہے "سر مستیٔ[1] شراب"

[1] بعض ناقدین غالب کے مشکل اشعار کو سرمستیٔ شراب قرار دیتے ہیں یعنی ان اشعار میں مفہوم نہیں ہے اور غالب نے شراب کے نشے میں بے معنی اشعار کہے ہیں۔

اُس[1] نے وہاں بنایا نشیمن خیال کا
نظّارۂ حسیں ہے جہاں عرش کا حجاب

آتش فشاں ہے گرمیٔ سوزِ درونِ عشق
نیچا ہے اس کے بامِ تخیّل سے آفتاب

مانندِ بُوئے گُل وہ پریشاں رہا، کہ ہے
امواج بُوے عطر کی تقدیر اضطراب

[1] منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے پرے ہوتا کاش کے مکاں اپنا

فلسفۂ حیات

یہ خاک و باد و آتش و گُل، شبنم و شراب
عکسِ خیال ہے کہ ہے تصویرِ چشمِ خواب

ہستیٔ کائنات گماں ہے کہ ہے یقیں
ہستیٔ کائنات حقیقت ہے یا سراب

ہستیٔ کائنات فسونِ نگاہ ہے
یا کوئی نقش ہے سرِ قرطاسِ موجِ آب

ہے ذہنِ کارساز پسِ پردۂ حیات

یا زندگی ہے صرف عناصر کا پیچ و تاب

منظر نگار ذہن کا رنگیں خیال ہے

یا زندگی ہے پرتوِ لالہ رُخِ حجاب

شیشہ گریٔ فکر و تجسّس ہے کائنات

یا ہے طلسمِ ہوش رُبائے جنوں کا باب

یہ آئینے ہیں تارِ نگاہِ شعور کے

یا کہکشاں و زہرہ و مرّیخ و ماہتاب

حُسنِ خرد ہے عالمِ رُوپوشِ آسماں
یا پردۂ جمالِ نظر عرش کا حجاب

سہوِ نظر ہے، ہستئ دنیائے رنگ و بُو
نیرنگئ مجاز ہے یا داستانِ خواب

آئینۂ خیال، کم و کیف زندگی
یادِ بہار و رنگِ گلستان و موجِ آب

پیکرِ خرد ہے گیسوئے لیل و جبینِ صبح
یا شعلۂ نگاہ تصوّر ہے آفتاب

ہستیِ دہر دھوکا ہے ادراک وہوش کا
یا ہے سرِ حواس پہ اُڑتا ہوا سحاب

یہ چھائیاں ہیں شیشۂ فکر و دماغ کی
یا پرتوِ شعاعِ نظر انجم و شہاب

یہ مور و مار و ماہی و مہر و مہ نہیں
نقش و نگارِ دامنِ تعبیر ہیں کہ خواب

سازِ عروسِ حجلۂ فطرت کا شور ہے
یا زندگی ہے شورشِ امواجِ انقلاب

موجِ روانِ جوئے قدم ہے کہ حادثہ
نقشِ جلی حیات ہے یا شیشۂ حباب

الہامِ فکر و ذہن ہے یا مطلعِ غزل
اِک شورشِ شعور ہے یا نغمۂ رباب

پرچھائیں جیسے شعر میں حُسنِ خیال کی
یا زندگی ہے رقصِ عروسِ حریمِ خواب

کرب و بلا ہے عرصۂ ہنگامہ ہائے زیست
یا ہے فراتِ عشق کی موجوں کا اضطراب

یہ زندگی ہے سجدۂ پیشانیٔ وفا

یا ہے کتابِ عشق کا عنوانِ انتساب

یا سرِّ حرف و معنی و ایمان و آگہی

یا ہے نکاتِ علمِ حقیقت کا اکتساب

ہے قبلۂ یقین و محبّت یہ کائنات

یا ضربِ بے شعور عناصر کا پیچ و تاب

یہ کائنات شوخیٔ تحریرِ دوست ہے[1]

یا کاغذی لباس میں تصویرِ بے نقاب

[1] نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

یہ کائنات[1] سازِ نوائے سروش ہے
یا دورِ مہر و گردشِ پیمانۂ شراب

در[2] پردہ ہائے ساز صدائے شعور ہے
گوہر میں جیسے سینۂ دریا کا اضطراب

شرحِ حدیثِ غم ہے کہ تفسیرِ "رفت[3] و بود"
یا رخشِ[4] کائنات ہے بے باگ بے رکاب

۱۔ آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

۲۔ گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیٔ جا کا
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

۳۔ لیتا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبق ہنوز
لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

۴۔ رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

یا[1] سخت جانیہائے تمنا ہے زندگی
جیسے کہ جوئے شیر پئے کوہکن عذاب

"عالم[2] تمام حلقۂ دامِ خیال ہے"
یا کائنات عکسِ جمالِ رُخِ وہاب

رعنائی شعور میں پنہاں ہے حُسنِ شعر
رُوپوش جیسے خواب میں تعبیر ہائے خواب

تخلیق کا عمل ہے مسلسل تو کائنات
گرداب ہے کبھی، کبھی طوفاں، کبھی حباب

۱۔ کاوِ کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

۲۔ ہستی کے اس فریب میں مت آئیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

ایقاںؔ میں قیاس ہے، تشکیک میں یقیں
ظلمت میں روشنی ہے تو بیداریوں میں خواب

اثبات میں نفی کے نگار و نقوش ہیں
لیکن نفی دلیل میں اثبات کا حساب

موجوؔد جب نہیں کوئی اُس بِن تو زندگی
ہے غیب میں شہود کے اثبات کا جواب

۱؎ ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

۲؎ جب کہ تجھ بِن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

ذرّے[1] ہیں آفتاب کے پَرتو سے جان ہے
یا زندگی ہے ذوقِ تجسّس کا اضطراب

تعمیر[2] میں نہاں ہیں خرابی کی صورتیں
دہقاں کا گرم خون ہے خرمن میں برق تاب

ہے جادۂ فنا بھی نئی راہِ زندگی
تخلیق میں نہیں ہے کہیں نیستی کا باب

1. ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرّے میں جان ہے

2. مری تعمیر میں مضمر ہے اِک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

کیا[1] ہوتا جب ازل سے ابد تک ہے ایک ذات

اُٹھتا نہ گر وجود کے رُخسار سے نقاب

آرائشِ[2] جمال سے فارغ نہیں ہنوز

پیشِ نظر ہے آئینہ دائم تہِ نقاب

کیا[3] کیا ہے آدمی کی ہوس کو نشاطِ کار

لیکن نہ ہو جو مرنا تو جینا ہے اِک عذاب

ع[1] نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

ع[2] آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

ع[3] ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

باندھا ہے[1] دستِ مرگ نے شیرازۂ حیات
ورنہ تھی کائنات کی بکھری ہوئی کتاب

ہے[2] وحدتِ وجود ہر اک شے سے آشکار
یعنی جگر میں ذرّے کے مخفی ہے آفتاب

سایہ اسی کا زندگی، سایہ اسی کا موت
ہر شے میں ہے اسی کی جُدائی کا اضطراب

ع[1] نظر میں ہے ہماری جادۂ راہِ فنا غالبؔ
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

ع[2] ہے تجلّی تری سامانِ وجود ذرہ بے پرتوِ خورشید نہیں

یکساں ہے کائنات کی ہر شے میں سوزِ عشق
تلخی میں جیسے ایک ہے ہر قسم کی شراب

ہیں رُوح کی صفات، وجود و شعُور و کیف
جیسے کہ رنگ و نشہ و بُو، وصفِ جامِ ناب

ہے رُوح کی بقا کا مگر عشق پر مدار
جیسے پئے حیات ہے لازم ہوا و آب

فلسفۂ عشق و ہوس

عشق و وفا سرشتِ دلِ خانماں خراب
جیسے شرارِ برق، تہِ دامنِ سحاب

"کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا"
لیکن یہی خلل ہے بشر کے شرف کا باب

ع ا بلبل کے کاروبار پہ ہے خندہ ہائے گل
کہتے جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

قیدِ[1] صدف میں ملتی ہے پانی کی بُوند کو
سوزِ فراق بحر سے گوہر کی آب و تاب

جذباتِ رشک پرتوِ فانوسِ شمعِ عشق
جیسے کہ رنگِ دل کشِ پیمانۂ شراب

نظّارۂ جمال ہے ذوقِ نگاہِ عشق
جیسے کہ تشنگی کا تقاضہ ہے جامِ آب

[1] دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہُر ہونے تک

ہر ذرّہ ریگ زارِ وفا میں سراب کا
رکھتا ہے مثلِ جوہرِ شمشیر آب و تاب

ہے داغ ہائے عشق سے آراستہ جہات
جیسے کہ دیدہ زیب گلِ جدولِ کتاب

وصلِ جمال بھی نہیں آرام دردِ عشق
آغوشِ برگِ گُل میں ہے شبنم کو اضطراب

لَو پر ہے شمعِ عشق کی کاجل تھما ہوا
دُودِ ہوس ہے دُودِ سرِ شعلۂ شباب

۱؎ موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ حال پوچھ
ہر ذرّہ مثلِ جوہرِ تیغ، آب دار تھا

مت پوچھ دل کا حال کہ آئینِ عاشقی [1]

یہ ہے کہ صبر ہیں ہو تمنّا کا اضطراب

سامانِ صد ہزار نمکداں ہے عشق میں [2]

درمانِ زخم ہائے دلِ خانماں خراب

منّت کشِ دوا نہیں آزارِ بندِ غم [3]

شرمندۂ قرار نہیں دل کا اضطراب

[1] عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب — دل کا کیا حال کروں خونِ جگر ہونے تک

[2] پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق — سامانِ صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

[3] درد منت کشِ دوا نہ ہوا — میں نہ اچھا ہوا، بُرا نہ ہوا

۱

چلتا نہیں ہے آتشِ عشق و وفا پہ زور
رُکتا نہیں ہے چڑھتا ہوا نشۂ شراب

۲

ظاہر ہے رنجِ دُوریٔ منزل کہ ہر قدم
بھاگے ہے دشتِ عشق و وفا صورتِ سراب

۳

کیا کہیے عشق کا ہے کہاں دوسرا قدم
ہے ایک نقشِ پا سے بھی کم عالمِ خراب

۱ عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ — کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے
۲ ہر قدم دُوریٔ منزل ہے نمایاں مجھ سے — میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے
۳ ہے کہاں تمنّا کا دوسرا قدم یارب — ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

ہے عشق کیف و وجد کی منزل کہ جس میں دل
دیتا نہیں ہے نفس کی آواز کا جواب

مت پوچھ قتل گاہِ تمنّا کا انبساط
یہ سوچ کیا ہے پیاس کے عالم میں لطفِ آب

فردوسِ[۱] گوش نغمۂ موجِ ہوائے تیر
عیدِ نظارہ جنبشِ شمشیرِ بے نقاب

صد حسرتِ گرفتِ غزالانِ خوش جمال
صد اشتیاقِ لمسِ صنوبر قدِ شباب

[۱] عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنا مت پوچھ — عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

مطلوبِ بیخودیٔ دل و اضطرابِ شوق

آغوشِ وا میں جلوۂ نازِ بُتِ حجاب

تا کے[1] ہے چشمِ حسرتِ دل نوبہارِ ناز

مانگے[2] ہے تشنگیٔ تمنّا شرابِ ناب

بادہ کشی و صحبتِ دلدارِ مہ جبیں

رقص و سرود، نغمۂ نازک، تنِ شباب

[1] اِک نوبہارِ ناز کو تا کے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے

[2] مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کئے ہوئے

بے چین یوں ہے دل غمِ فرقت میں جس طرح
بیتاب دودِ آتش و سیماب و موجِ آب

اے آفتابِ صبحِ قیامت نکل کہ ہے
آنکھوں میں شامِ تارِ ابد کا خمارِ خواب

جزجامِ مرگ زخمِ جگر کا نہیں علاج[1]
جز ساغرِ فنا نہیں درمانِ اضطراب

[1] غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

مت پُوچھ کیا ہے جذبۂ عشق و ہوس کا فرق

اِک انبساطِ رُوح ہے، اِک لذّتِ شباب

دینا[1] نہیں ہے رشک اجازت کہ مُدّعی

ہو شوخ، فِتنہ گر، بُتِ کافر کے ہم رکاب

[1] قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

فلسفۂ غم

نظارہ ہائے کارگہِ شیشہ و حباب
موجِ سراب، موجِ الم، موجِ اضطراب

گرمیٔ ریگ زارِ تمنّا میں زندگی
جلتے توے پہ جیسے کہ قطرے کا پیچ و تاب

یوں ہے قفس میں چار عناصر کے قیدِ روح
جیسے ہوا اسیرِ غمِ محبسِ حباب

سینے میں جیسے لو کے سُلگنے لگے ہوا
جلتا ہے سوزِ دم سے دلِ خانماں خراب

گھٹنا نہیں ہے سوزِ غمِ زندگی کہ ہے
مطلوب کے فراق میں طالب کا اضطراب

وادیٔ بیم و یاس میں بے اختیار دل
رقصاں ہے جیسے بحر کی آغوش میں حباب

بیضہ نمط ہے تنگ پر و بال پر قفس[1]
گر ہو رہا تو وا ہو نئی زندگی کا باب

[1] بیضہ آسا تنگ بال و پر ہے کنجِ قفس   از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

زنجیرِ بندِ غم سے ہے جکڑی ہوئی حیات
جیسے ہے برگِ گُل میں گرفتار موجِ آب

یُوں ہے مدارِ جبر میں جولانیٔ حیات
جیسے خلا میں گردشِ خورشید و ماہتاب

حاصل سوائے حسرتِ حاصل نہیں کوئی[1]
ہے زندگی فسونِ نظر، صورتِ سراب

[1] دل سے ہوائے کشتِ وفا مٹ گئی کہ واں
حاصل سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا

مقدورِ نوحہ گر نہیں، لیکن ہے صبح و شام[۱]

سینہ زنئ قلبِ جنوں پیشہ و خراب

خوشبو سے پھول، راگ سے باجہ بھرا ہے یوں[۲]

جیسے فغاں سے پُر ہے دلِ خانماں خراب

ہے خوگرئ غم ہی مداوائے رنج و غم[۳]

یعنی ہے اضطراب ہی درمانِ اضطراب

۱ـ حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں ... مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

۲ـ شکووں سے پُر ہوں یوں راگ سے جیسے باجہ ... اِک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھیئے کیا ہوتا ہے

۳ـ رنج کا خوگر ہوا انساں تو مِٹ جاتا ہے رنج ... مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

کیفِ مدام رکھتی ہے صہبائے تندِ غم
رندوں کو ناگوار نہیں تلخیٔ شراب

لذّت کشِ خمارِ مئے تشنگی ہے، دل
مخمورِ جامِ غم، نگہِ چشمِ نیم خواب

خانہ[1] خراب دل کی تسلّی کو کیا کروں
مانا کہ ہے نظر رُخِ جاناں سے کامیاب

عہ ۱ میں نامراد دل کی تسلّی کو کیا کروں
مانا کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے

ختمِ کلام

یہ میرا اعزاز و شرف ہے کہ یہ طویل اور منظوم مقالہ میں نے ارباب علم و ادب کی اس محفل میں پیش کیا، میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس طویل منظوم مقالے کو سماعت فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ واقعہ یہ ہے کہ مرزا غالب کی طرح میری زندگی بھی کھلی ہوئی کتاب ہے جسے گزشتہ پینتالیس ۴۵ سال سے پڑھا جا رہا ہے۔ میں نے جو سوچا ہے وہ لکھا ہے نظم میں بھی نثر میں بھی، مصلحت یا غرض کی کسی ملاوٹ یا آمیزش کے بغیر، انکساری ایک بات ہے لیکن وقارِ ذات کے اظہار کے لئے تصنع آمیز اداکاری بالکل ہی دوسری بات ہے۔ مادی آسودگی بھی ایک بات ہے لیکن آسودگی کی طلب میں ہوس کے آثار دکھائی دینا بالکل ہی دوسری بات ہے۔ میں ایک غریب و نادار ملک کا باشندہ ہوں لیکن جس قوم کا دل مفلس کا چراغ بن کر رہ گیا ہے جو شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے اس قوم نے ایک ادیب، شاعر، اور صحافی کی حیثیت سے مجھے جو عزت، محبت اور خلوص دیا ہے وہ صرافہ میں بکنے والے الماس و یاقوت سے کہیں زیادہ قیمتی اور انمول ہے اور میں اتنی قیمتی اور انمول چیز لے کر اپنی مادی آسودگی کے لئے کسی بھی دوسری چیز کا نہ طلب گار ہوں نہ خواہش مند، یہ تو صرف انتظامیہ ہے جسے سرکار

کہا جاتا ہے اور جملہ وزیر اس انتظامیہ کے نوکر چاکر ہیں۔ میرے وطن عزیز میں میری سرکار صرف عوام ہیں اور ان کی مادی زندگی میں میرا پایہ ہمدوش سلیماں ہے۔ ہمدوش مور نہیں۔ میں قدرت کی طرف سے جو مزاج لے کر آیا ہوں اس میں میرا دل اور میری زبان دونوں ہم آہنگ رہتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ دل پکارے اور زبان چپ رہے یا زبان آواز دے اور دل خاموش رہے۔ میں جب یہ کہتا ہوں کہ میں آپ کا شکر گزار ہوں تو یہ لفظ صرف زبان ہی سے نہیں، میرے دل سے بھی نکلتے ہیں جن میں سچائی اور خلوص کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہوتا' —— میں آپ کا شکر گزار ہوں تو پھر شکر گزار ہی ہوں۔

O

